محترم ڈاکٹر صاحب نے ان تحریکوں کی آئندہ کامیابی کے امکان کو بھی اس معاملے سے مشروط قرار دیتے ہوئے اس بحث کا اختتام ان الفاظ پر کیا تھا:

ہمیں اس امر کا بھی یقینِ کامل حاصل ہے کہ ان احیائی تحریکوں کے مجموعی مذہبی فکر میں باطنی پہلو (ESOTERIC ELEMENT) کے اعتبار سے جو کمی پائی جاتی ہے اگر اسے دُور نہ کیا جا سکا۔ اور ان کا مضبوط ربط اور گہرا تعلق روح کی حیاتِ باطنی کے "عروۃ وثقیٰ" کے ساتھ قائم نہ ہوا تو یہ تحریکیں (بشمول خود ہماری تحریک کے) مستقل طور پر بے لنگر کے جہازوں کے مانند بھٹکتی رہیں گی اور انہیں کبھی منزلِ مقصود تک پہنچنا نصیب نہ ہو سکے گا!"

محترم ڈاکٹر صاحب کے پیش کردہ ان خیالات و افکار کی تصویب و توثیق میں ہمیں مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے بعض نمایاں افراد کے خطوط موصول ہوئے جن میں سے دو کو نمائندہ خطوط کی حیثیت سے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ پہلا خط جناب محمد موسےٰ بھٹو صاحب کا ہے جن کا شمار بجا طور پر پاکستان کے معدودے چند مخلص، محبِ دین، اور محبِ وطن دانشوروں میں ہوتا ہے۔ محترم موسیٰ بھٹو صاحب کی شخصیت اس اعتبار سے بھی حکمت قرآن کے قارئین کے لیے محتاجِ تعارف نہیں ہے کہ اس سے قبل بھی اُن کا ذکر انہی صفحات میں ہو چکا ہے اور اُن کے خطوط و مضامین بھی وقتاً فوقتاً 'حکمتِ قرآن' کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ موصوف نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خیالات سے کامل اظہارِ اتفاق کرتے ہوئے خیر خواہانہ انداز میں کچھ مشورے بھی دیئے ہیں جن میں نصح و اخلاص کا رنگ نمایاں ہے۔ ان کا خط پیشِ خدمت ہے۔

محترم جناب گرامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم۔ مزاج شریف

"حکمتِ قرآن" مئی ۱۹۸۸ء کے شمارے میں آپ نے دین کی جدید احیائی تحریکوں میں دین کے روحانی اور باطنی پہلو کی خطرناک حد تک کمی کا ذکر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ ان تحریکوں کا تصوّف و اہلِ تصوّف سے تو رشتہ بالکل کٹ کر رہ گیا اور ان کے ضمن میں ذہنی تحفظات نے رفتہ رفتہ فصل و بُعد سے آگے بڑھ کر نفرت و حقارت کی صورت اختیار کر لی ہے۔

آپ نے مزید لکھا ہے: "اس امر پر اللہ تعالےٰ کا جتنا شکر بجا لایا جائے کم ہے کہ عہدِ حاضر کے فکرِ اسلامی کے امام علامہ اقبال مرحوم کے یہاں دین کے باطنی پہلوؤں کا ادراک تمام و کمال موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے "فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید" کی تو بنیاد ہی باطنی تجربے یعنی وارداتِ روحانی پر قائم کی ہے۔ ان کے منظوم کلام میں اگرچہ ابتداءً تصوّف سے بُعد کے آثار پائے جاتے تھے تاہم ان کا بعد کا پورا کلام تصوّف کی چاشنی سے لبریز اور باطنی سوز و ساز، کیف و سرور، حتیٰ کہ جذب و مستی کی کیفیات سے سرشار ہے۔"

تصوّف کی اہمیت و افادیت کے بارے میں آپ نے جو کچھ فرمایا ہے، یہ عاجز اس سے سو فی صد متفق ہے۔ راقم کا اپنا ذاتی تجربہ و مشاہدہ یہ ہے کہ اقامتِ دین کی تحریک سے عرصہ تک وابستہ رہنے اور شب و روز غلبۂ دین کی فکر مسلط ہونے کے باوجود دین کا ایمانی اور محبت والا پہلو مفقود رہا اور بنیادی انسانی اور اخلاقی اوصاف خدا کے بندوں سے حقیقی محبت، انا اور حبِ جاہ جیسی رذیل چیزوں سے نجات کی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ لیکن علامہ اقبال کے مطالعہ کے بعد جب مزکی اور مربی کی صحبت اور باطنی زندگی میں اس کے اثرات کا شعور حاصل ہوا اور ایک بزرگ سے عقیدت کا تعلق استوار ہوا تو اندازہ ہوا کہ دین کے ظاہری پہلو کو ہی حقیقی دین سمجھنا کتنی بڑی غلطی تھی اور باطنی امراض کی اصلاح سے بے فکر ہونا کتنی بڑی بیماری ہے۔

اس پس منظر میں جب میں نے "حکمتِ قرآن" میں آپ کی تحریر پڑھی تو مجھے از حد خوشی ہوئی۔ غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ اقامتِ دین کی تحریکوں میں سے ایک تحریک کے قائد نے اس طرح کھل کر تصوّف کی حمایت و وکالت اور اس کے افادی پہلو کا ذکر کیا ہو۔ اگرچہ راقم اپنے حلقۂ احباب میں چند سالوں سے اپنی زندگی کے اس کیف آور تجربہ کے حوالے سے مزکی کی صحبت کا اظہار و اعتراف کرتا رہا ہے اور آپ کے سامنے بھی اس کا ذکر کرتا رہا ہے۔ تاہم آپ جیسی شخصیت کی طرف سے اس اعتراف کے بعد مجھے امید ہے کہ اب انشاء اللہ تزکیہ نفس اور محبتِ خداوندی کے سلسلہ میں اس ادارے سے استفادے کا رجحان پیدا ہوگا۔ اور جدید اسلامی مفکروں کی تحریروں سے متاثر ہو کر جو لوگ کتابی علم ہی کو اصلاح کے لئے کافی سمجھتے ہیں، ان کے سامنے یہ بات واضح ہو گی کہ محض علم و شعور باطنی امراض کی اصلاح کے لئے کافی نہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ یہ عاجز خاندانی طور پر بھی اور اپنی ذاتی ذہنی نشوونما کے اعتبار سے بھی جدید اسلامی مفکروں اور ان کی تحریکوں سے وابستہ رہا ہے۔ راقم کی بیشتر زندگی اسی فکر کے زیر اثر گزری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ راقم ۱۸ سال تک قومی اخبارات میں مضمون نگاری، وقائع نگاری کا کام کرتا رہا ہے۔ لکھنے پڑھنے کے اس طویل تجربے کے بعد راقم یہ سمجھتا ہے کہ جدید دور میں ذہنی اور شعوری طور پر اسلام پر اعتماد پیدا کرنے کا مسئلہ تو ایک حد تک حل ہو چکا ہے لیکن احیائی تحریکوں سے وابستہ افراد کا اس وقت بنیادی مسئلہ باطنی اور روحانی اصلاح پذیری کا ہے جس کے بغیر غلبۂ دین اور اقامتِ دین کا کام آگے بڑھنا ممکن ہی نہیں۔

راقم یہ سمجھتا ہے کہ آپ نے قرآن مجید کے حوالے سے جو کام شروع کیا ہے وہ ایک غیر معمولی کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سعادت سے نواز کر آپ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ جس پر آپ اللہ کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں وہ کم ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ راقم انسانی نفسیات کی اس کمزوری کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ اکثر علم کے ساتھ ایک زعم بھی پیدا ہونا شروع ہوتا ہے اس زعم کی اصلاح کے لئے کسی مربی و مزکی کی صحبت بہت ناگزیر ہوتی ہے۔ علم کا یہ زعم کئی پہلوؤں سے دین کے وسیع اثرات اور گہرے اور ہمہ گیر کام کی راہ میں شدید رکاوٹ بن جاتا ہے۔ مثلاً بعض مواقع ایسے آتے ہیں کہ جہاں اپنی شخصیت اور علمی برتری کو ختم کر کے انتہائی خاکسار بننا پڑتا ہے اور دوسروں کی بڑائی و عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح اپنی شخصیت کو گرانے سے دینی تحریک اور پیغام کے نفوذ کے لئے غیر معمولی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

راقم اپنی علمی کوتاہی اور خوردگی کے باوجود آپ سے محبّت کی بنا پر آپ سے عاجزانہ طور پر ملتمس ہے کہ آپ کوشش فرمائیں اور وقت کے کچھ لمحات کسی مربّی و مزکی کی صحبت میں اختیار فرمایا کریں۔ ہمارے ہاں ایسی شخصیتوں کی کمی ضرور ہے لیکن ایسے لوگ نایاب نہیں ہیں۔ یقین جانئیں کہ اگر ایسا ہوا تو آپ کی تقریر کی تاثیر، تنظیمی صلاحیت اور دینی خدمت کے کاموں میں غیر معمولی تاثیر اور برکت پیدا ہوگی بلکہ آپ کی تاثیر پذیری کی استعداد میں انشاء اللہ کئی سو گنا اضافہ ہو جائے گا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ عاجز کسی بھی اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے کہ آپ جیسی

خطابت کی بادشاہ اور دعوت دین کی عظیم داعی شخصیت کو دوسروں سے استفادہ کا مشورہ دے۔ میں اپنے ذاتی مشاہدہ و تجربے کی بنا پر مشورہ نہیں بلکہ ایک عاجزانہ استدعا کر رہا ہوں۔
والسلام
احقر، محمد موسیٰ بھٹو

دوسرا خط سکھر سے ہمارے ایک بزرگ رفیق اور سابق رکن جماعت اسلامی جناب نجیب صدیقی صاحب نے ارسال کیا ہے محترم صدیقی صاحب کا معاملہ اس اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ نہ صرف جماعت اسلامی کے سرگرم کارکن رہے ہیں بلکہ ۱۹۵۷ء میں جماعت سے علیٰحدگی کے بعد جماعت کو اصولی اختلافات کی بنیاد پر خیر باد کہنے والے اُن اکابرین کو جن کا شمار جماعت کی صف دوم کی قیادت میں ہوتا تھا، دوبارہ منظم کر کے ایک اسلامی تنظیم تشکیل دینے کی کوشش میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ مسلسل شریک رہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی حالیہ تحریر نہ صرف یہ کہ انہیں اپنے دل کی آواز معلوم ہوئی بلکہ اُن کی بعض الجھنوں کو دُور کرنے کا باعث بھی ہوئی۔ وہ لکھتے ہیں۔

امیر محترم! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
امید ہے مزاج اچھے ہوں گے ــــ نہایت مختصر چند باتیں عرض کر رہا ہوں۔
یہ ان دنوں کی بات ہے جب جماعت اسلامی سے وابستہ تھا، جماعت کے پرجوش کارکنوں میں سے تھا، ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں سے ڈبھیڑ رہتی تھی اس لئے کہ ہمارے نزدیک سب سے اہم کام لٹریچر کی تقسیم اور اُس کا پہچانا تھا۔ ملاقاتیں، گفتگوئیں اور بحث مباحثہ معمولات کی باتیں تھیں، علماء میں سے جو نسبتاً کم مخالف تھے یہ بات بار بار کہا کرتے تھے کہ باتیں تو ٹھیک ہیں، تحریر بڑی جاندار ہے، سب کچھ ہے مگر "روحانیت" نہیں ہے ــــ روحانیت کیا ہے وہ بھی تفصیل سے نہیں سمجھا سکتے تھے، اُن کا یہ احساس تھا جس کا وہ برملا اظہار کرتے تھے، ہماری طرف سے جو جواب دیا جاتا وہ یہ تھا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے، "اسی روحانی رہبانیت نے ہمیں ناکارہ بنا دیا ہے"
ــــ اپنے اجتماعات میں ہم ان تاثرات کو بیان کرتے تھے، لیکن دل میں ایک چور ضرور تھا کہ کوئی ایسا خلاء ضرور ہے جس کی وجہ سے نماز میں دل نہیں لگتا۔ جماعت کے